



قرآنیات

البيان
جاوید احمد غامدی

النمل - القصص

۲۷ - ۲۸

یہ دونوں سورتیں اپنے مضمون کے لحاظ سے توام ہیں۔ دونوں کا موضوع نبی صلی اللہ علیہ وسلم اور آپ کے ساتھیوں کو تسلی اور بشارت دینا اور آپ کے منکرین کو متنبہ کرنا ہے کہ آخرت سے بے خوف اور دنیا کے عیش و آرام میں مگن ہو کر وہ جس سرکشی پر اترے ہوئے ہیں، اُسے چھوڑ دیں، اپنے اوپر خدا کی نعمتوں اور عنایتوں کا شکر ادا کریں اور اپنے پیغمبر کو پہچانیں۔

دونوں سورتوں میں اصل بنائے استدلال موسیٰ علیہ السلام کی سرگذشت ہے۔ اس کے علاوہ جو سرگذشتیں سنائی گئی ہیں، وہ تبعاً اسی کے بعض پہلوؤں کی مزید وضاحت کرتی ہیں۔
ان میں خطاب نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے بھی ہوا ہے اور قریش مکہ سے بھی، لیکن روئے سخن زیادہ تر انہی کی طرف ہے۔

دونوں سورتوں کے مضمون سے واضح ہے کہ ام القریٰ مکہ میں یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی دعوت کے مرحلہ انذار عام میں اُس وقت نازل ہوئی ہیں، جب ہجرت و براءت کا مرحلہ قریب آچکا ہے۔

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ

سورة النمل

(۱)

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ
طَسَّ تِلْكَ اٰیَةُ الْقُرْآنِ وَكِتَابٍ مُّبِیْنٍ ۝ هُدًى وَبُشْرٰی لِّلْمُؤْمِنِیْنَ ۝
الَّذِیْنَ یُقِیْمُوْنَ الصَّلٰوةَ وَیُؤْتُوْنَ الزَّكٰوةَ وَهُمْ بِالْآخِرَةِ هُمْ یُوقِنُوْنَ ۝

—|—

اللہ کے نام سے جو سرا سر رحمت ہے، جس کی شفقت ابدی ہے۔

یہ سورہ 'طس' ہے۔ یہ قرآن اور ایک واضح کتاب کی آیتیں ہیں، ایمان والوں کے لیے ہدایت اور بشارت جو نماز کا اہتمام کرتے ہیں، زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور وہی آخرت پر فی الواقع یقین رکھتے

۱۔ یعنی ایسی کتاب کی جو حقائق کو اس طرح واضح کر دیتی ہے کہ آپ ہی اپنی حجت بن جاتی ہے۔ اُس کی صحت و صداقت کو جانچنے کے لیے کسی خارجی شہادت یا معجزے اور نشانی کی ضرورت نہیں رہتی۔ آیت میں 'تِلْكَ' کا مشار الیہ 'طس' ہے۔ اس کے بارے میں اپنا نقطہ نظر ہم سورہ بقرہ (۲) کی آیت کے تحت بیان کر چکے ہیں۔

۲۔ ہدایت کے ساتھ بشارت کا ذکر یہاں خاص طور پر اس لیے ہوا ہے کہ آگے سورہ کے مضامین اسی کی

إِنَّ الدِّينَ لَا يُؤْمِنُونَ بِالْآخِرَةِ زَيَّنَّا لَهُمْ أَعْمَالَهُمْ فَهُمْ يَعْمَهُونَ ﴿٣﴾
أُولَئِكَ الَّذِينَ لَهُمْ سُوءُ الْعَذَابِ وَهُمْ فِي الْآخِرَةِ هُمْ الْآخَسُونَ ﴿٥﴾ وَأَنْتَ
لَتَلْقَى الْقُرْآنَ مِنْ لَدُنْ حَكِيمٍ عَلِيمٍ ﴿٦﴾

ہیں ۳-۱-۲

اس کے برخلاف جو لوگ آخرت کو نہیں مانتے، اُن کے اعمال ہم نے اُن کے لیے خوش نمابنا دیے ہیں، چنانچہ بھٹکتے پھر رہے ہیں۔ یہ لوگ ہیں کہ ان کے لیے دنیا میں بھی برا عذاب ہے اور آخرت میں بھی یہی سخت خسارے میں ہوں گے۔ (ان کی پروا نہ کرو، اے پیغمبر)، اس میں کوئی شبہ ہی نہیں کہ یہ قرآن تمہیں ایک حکیم و علیم کی طرف سے دیا جا رہا ہے۔ ۶-۳-۲

شہادت دے رہے ہیں۔

۳۔ یہ دونوں عبادات ایمان و اسلام کا لازمی ظہور ہیں۔ اہل عرب کے لیے یہ کوئی اجنبی چیزیں نہیں تھیں۔ دین ابراہیمی کی ایک روایت کی حیثیت سے وہ نہ صرف یہ کہ ان سے واقف تھے، بلکہ اُن کے صالحین ان کا اہتمام بھی کرتے تھے۔ یہی وجہ ہے کہ قرآن نے ان کی کوئی تفصیلات بیان نہیں کی ہیں۔

۴۔ چنانچہ یہی چیز اُن کے ایمان لانے اور نماز اور زکوٰۃ کا اہتمام کرنے کا باعث بن گئی ہے۔

۵۔ یعنی دنیا کو مطلوب و مقصود بنا کر جو کچھ وہ کر رہے ہیں، اُسی پر مطمئن ہیں۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”... یہ اُس سنت الہی کی طرف اشارہ ہے جس کی وضاحت... جگہ جگہ ہو چکی ہے کہ جو لوگ اسی دنیا کو مقصود و

مطلوب بنا کر اپنی تمام ذہانت و قابلیت اسی کی طلب میں لگا دیتے ہیں، اللہ تعالیٰ اُن کے اعمال و مشاغل کو اس طرح

اُن پر مسلط کر دیتا ہے کہ پھر نہ وہ اُن کے چھوڑنے ہی پر آمادہ ہوتے اور نہ اُن سے چھوٹ ہی سکتے۔ وہ اُنھی کے

اندر بھٹکتے رہتے ہیں، یہاں تک کہ ایک دن فرشتہ اجل آکر اُن کو دبوچ لیتا ہے۔“ (تذکرہ قرآن ۵/۷۷)

۶۔ یہ اس لیے فرمایا ہے کہ رسولوں کی طرف سے اتمام حجت کے بعد اُن کے مکذبین پر اس دنیا میں بھی لازماً

عذاب آتا ہے اور یہاں اُنھی کا ذکر ہو رہا ہے۔

۷۔ یعنی اُس ذات کی طرف سے دیا جا رہا ہے جس کے ہر کام میں حکمت ہوتی ہے اور وہ ہر چیز سے باخبر بھی

إِذْ قَالَ مُوسَىٰ لَأَهْلِيهِ إِنِّي آنَسْتُ نَارًا ۖ سَاتِيكُمْ مِّنْهَا بِخَبَرٍ أَوْ بَشِيرٍ ۖ قَبْسٍ لَّعَلَّكُمْ تَصْطَلُونَ ﴿١٠﴾ فَلَمَّا جَاءَهَا نُودِيَ أَنْ تُبْرِكَ مَنْ فِي النَّارِ وَمَنْ

(اور اپنے اوپر خدا کی اس عنایت کو سمجھنے کے لیے) وہ قصہ یاد کرو، جب موسیٰ نے اپنے گھر والوں سے کہا کہ میں نے ایک آگ سی دیکھی ہے۔ (تم لوگ ذرا ٹھہرو)، میں وہاں سے ابھی تمہارے پاس کوئی خبر لاتا ہوں یا آگ کا کوئی انگار لے کر آتا ہوں تاکہ تم اُسے تپ سکو۔ سو جب وہ اُس کے پاس پہنچا تو ندا آئی کہ مبارک ہے وہ جو اس آگ میں جلوہ فرما ہے اور وہ بھی جو

رہتا ہے، اس لیے مطمئن رہو، وہ تمہیں کبھی تنہا نہ چھوڑے گا، بلکہ ہر قدم پر تمہاری رہنمائی فرمائے گا اور تمہیں منزل مقصود پر پہنچائے گا۔

۸۔ اُس حضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سب سے زیادہ مماثلت حضرت موسیٰ ہی کی ہے۔ چنانچہ آگے اُنہی کی سرگذشت آپ کی تسلی اور آپ کے مخاطبین کی تنبیہ کے لیے سنائی گئی ہے تاکہ واضح ہو جائے کہ پیغمبری کیا ہے، یہ کیسے ملتی ہے اور اس کے ساتھ خدا کی کیا کیا عنایتیں وابستہ ہو سکتی ہیں؟

۹۔ یہ اُس وقت کا قصہ ہے، جب موسیٰ علیہ السلام مدین میں آٹھ دس سال گزارنے کے بعد اپنی بیوی کو لے کر واپس مصر جا رہے تھے۔ اپنے اس سفر میں جب وہ مدین سے چل کر جزیرہ نماے سینا کے اُس مقام پر پہنچے جو اب کوہ سینا اور جبل موسیٰ کہلاتا ہے تو اسی پہاڑ کے دامن میں یہ واقعہ پیش آیا۔ نزول قرآن کے زمانے میں یہ پہاڑ طور کے نام سے مشہور تھا۔

۱۰۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ سردی کا زمانہ تھا اور اپنے بیوی بچوں کے ساتھ جب موسیٰ علیہ السلام وادی طور کے پاس پہنچے تو رات ہو چکی تھی اور اُنہیں راستے کا کچھ اندازہ نہیں ہو رہا تھا۔ چنانچہ روشنی دیکھ کر اُنہیں خیال ہوا کہ ہو سکتا ہے وہاں کچھ لوگ ہوں جن سے رہنمائی مل جائے، ورنہ آگ ہی کا کوئی انگار لے آؤں جس سے کچھ گرمی حاصل کی جاسکے۔

۱۱۔ اصل میں مجھول کا صیغہ استعمال ہوا ہے۔ یہ ابہام اور تنفیم کو ظاہر کر رہا ہے۔ یعنی اُنہیں آواز تو سنائی دی، لیکن یہ متعین نہیں ہو سکا کہ آواز کس کی ہے اور کہاں سے آئی ہے۔

حَوْلَهَا وَسُبْحَنَ اللَّهُ رَبِّ الْعَالَمِينَ ﴿٨﴾
يُمُوسَى إِنَّهُ أَنَا اللَّهُ الْعَزِيزُ الْحَكِيمُ ﴿٩﴾ وَأَلْقِ عَصَاكَ ۚ فَلَمَّا رَآهَا تَهْتَزُّ
كَأَنَّهُهَا جَانٌّ وَلِي مُدَبِّرًا لَّمْ يَعْقِبْ ۚ يُمُوسَى لَا تَخَفْ إِنِّي لَا يَخَافُ لَدَيَّ

اس کے ارد گرد ہیں ۱۲۔ اور پاک ہے اللہ، جہانوں کا پروردگار ۱۳۔ ۷۔ ۸۔

اے موسیٰ، یہ میں ہوں اللہ، زبردست اور حکیم۔ (تم مطمئن ہو جاؤ) ۱۳ اور اپنی لاٹھی (زمین پر) ڈال دو۔ پھر جب موسیٰ نے اُس کو دیکھا کہ وہ اس طرح بل کھا رہی ہے، گویا وہ سانپ ہے تو پیٹھ پھیر کر بھاگا اور پلٹ کر دیکھا بھی نہیں۔ ارشاد ہوا: اے موسیٰ، ڈرو نہیں، میرے حضور

۱۲۔ یعنی خدا کے فرشتے۔ اس میں ’مبارک‘ کے لفظ سے بیان حقیقت کے ساتھ حضرت موسیٰ کی تسلی بھی مقصود ہے کہ وہ اس طرح کی آواز سن کر گھبرائیں نہیں۔ یہ اللہ تعالیٰ کی بابرکت ذات کی آواز ہے جو اپنے بابرکت کروبیوں کے ساتھ اس آگ کے پردے میں جلوہ گر ہوئی ہے۔

۱۳۔ آگ کے اندر سے آنے والی آواز چونکہ تحدید و حلول کا تاثر پیدا کر سکتی تھی، لہذا تنزیہ کے لیے فرمایا ہے کہ متنبہ رہو، تمام محدودیتوں اور تمام عیوب و نقائص سے پاک ہوتے ہوئے، یہ اُسی کی تجلی ہے جو تمہیں نظر آئی ہے اور وہ تمام عالم کا پروردگار ہے، اس لیے جس وقت اور جس طریقے سے چاہے، اپنے بندوں سے مخاطب ہو سکتا ہے۔

۱۴۔ آیت میں عزیز و حکیم کی صفات کا حوالہ یہی اطمینان دلانے کے لیے آیا ہے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”... یہاں ’عَزِيزُ‘ کے ساتھ ’حَكِيمُ‘ کی صفت آئی ہے جس سے مقصود اس حقیقت کو واضح کرنا ہے کہ جس ذات نے تم کو اس وقت خطاب و کلام سے مشرف فرمایا ہے، وہ ہر چیز پر غالب و مقتدر ہے، کوئی اُس کے کسی ارادے میں مزاحم نہیں ہو سکتا اور ساتھ ہی وہ حکیم ہے، اُس کا ہر ارادہ حکمت و مصلحت پر مبنی ہے۔ اور اسلوب کلام چونکہ حصر در حصر کا ہے، اس وجہ سے اس سے یہ بات بھی نکلتی ہے کہ میرے مقابل میں کسی اور کے زور و اقتدار یا میری حکمت و مصلحت کے مقابل میں کسی اور کی حکمت و مصلحت کے تصور کی کوئی گنجائش نہیں ہے۔“ (تدبر قرآن ۵/۵۸۱)

الْمُرْسَلُونَ ﴿١٠﴾ إِلَّا مَنْ ظَلَمَ ثُمَّ بَدَّلَ حُسْنًا بَعْدَ سُوءٍ فَإِنِّي غَفُورٌ رَحِيمٌ ﴿١١﴾
وَادْخُلْ يَدَكَ فِي جَيْبِكَ تَخْرُجْ بَيْضَاءَ مِنْ غَيْرِ سُوءٍ ۚ فِي تَسْعِ أَيْتٍ إِلَىٰ فِرْعَوْنَ

پیغمبر ڈرا نہیں کرتے ۱۵۔ ہاں مگر جو برائی کے مرتکب ہوں، پھر برائی کے بعد وہ اُسے بھلائی سے بدل دیں تو (اُن کے لیے) میں بڑا بخشنے والا اور بڑا مہربان ہوں ۱۶۔ ۹۔ ۱۱

اور اپنا ہاتھ ذرا اپنے گریبان میں ڈالو، وہ بغیر کسی بیماری کے ۱۷ سفید ہو کر نکلے گا۔ (یہ دونوں مل کر نو نشانیاں ہیں جو ہم تمہیں دے رہے ہیں۔ اِن) نو نشانیوں کے جلو میں ۱۸ تم فرعون

۱۵۔ یہ تسلی کا نہایت دل نواز اسلوب ہے۔ مطلب یہ ہے کہ تم نبوت کے منصب پر فائز کیے جا رہے ہو اور اس منصب کے حاملین میری حفاظت میں ہوتے ہیں۔ انھیں اس طرح کی چیزیں کوئی گزند نہیں پہنچا سکتیں، اس لیے بے خوف اور مطمئن ہو جاؤ۔

۱۶۔ یہ استثناء اس بات کا قرینہ ہے کہ حضرت موسیٰ کا ذہن اس موقع پر غالباً قطبی کے قتل کے واقعے کی طرف منتقل ہوا ہے کہ مجھ سے ایک غلطی ہو چکی ہے، یہ کہیں اُسی کا خمیازہ نہ ہو۔ چنانچہ مزید تسلی کے لیے فرمایا ہے کہ توبہ و اصلاح سے تم اُس کی تلافی کر چکے ہو اور میں بڑا غفور و رحیم ہوں، اس لیے ایسا کوئی اندیشہ نہیں ہونا چاہیے۔ استاذ امام لکھتے ہیں:

”... اس بات کو یہاں عام صیغے میں فرما کر اس کے فیض کو ہمہ گیر کر دیا ہے کہ یہ معاملہ کچھ تمہارے ہی

لیے خاص نہیں ہے، بلکہ میں اپنے ہر بندے کے ساتھ یہی معاملہ کرتا ہوں۔“ (تدبر قرآن ۵/۵۸۳)

۱۷۔ یہ اضافہ صاف واضح کر رہا ہے کہ یہاں بائبل کی تردید مقصود ہے جس میں ہاتھ کی سفیدی کو برص بتایا گیا ہے۔

۱۸۔ قرآن کے دوسرے مقامات میں ان نشانیوں کی تفصیل ہے۔ یہ گویا ایک پوری میگزین تھی جو فرعون کے پاس جانے کے لیے حضرت موسیٰ کو ابتدا ہی میں دے دی گئی۔ اس کی وجہ یہ تھی کہ وہ ایک مفتقم و جبار اور سرکش بادشاہ کی طرف رسول بنا کر بھیجے جا رہے تھے جو آسانی کے ساتھ اُن کی کوئی بات سننے کے لیے آمادہ نہیں ہو سکتا تھا۔

وَقَوْمِهِ^ط إِنَّهُمْ كَانُوا قَوْمًا فَسِقِينَ ﴿١٢﴾ فَلَمَّا جَاءَتْهُمْ آيَتُنَا مُبْصِرَةً قَالُوا هَذَا
سِحْرٌ مُبِينٌ ﴿١٣﴾ وَجَحَدُوا بِهَا وَاسْتَيْقَنَتْهَا أَنْفُسُهُمْ ظُلْمًا وَعُلُوًّا^ط فَانْظُرْ
كَيْفَ كَانَ عَاقِبَةُ الْمُفْسِدِينَ ﴿١٤﴾

اور اُس کی قوم کے پاس جاؤ، وہ بڑے ہی نافرمان لوگ ہیں۔ پھر جب ہماری یہ آنکھیں کھول دینے
والی نشانیاں اُن کے سامنے آئیں تو اُنھوں نے کہہ دیا کہ یہ تو کھلا ہوا جادو ہے۔ اُنھوں نے ظلم اور
گھمنڈ کے باعث اِن کا انکار کیا، در اں حالیکہ اُن کے دل اِن نشانیوں کو تسلیم کر چکے تھے۔ سو دیکھو،
اِن مفسدوں کا انجام کیا ہوا! ۱۲-۱۳-۱۴

۱۹۔ یہ وہ اصل مدعا ہے جس کے لیے یہ سیرگشت نکائی گئی ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم بھی اپنے مخا طبین
کے انکار کا سبب سمجھ لیں اور اُن کے رویے سے دل بروا شتہ نہ ہوں۔

[باقی]

